رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۳۹۸

مدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

چہ گویم با تو گر آئی بہ دار قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی

الحکم

ہفتہ وار

قادیان

دور جدید

بیا در بزم مستاں تا بہ بینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

مدیر اعلیٰ: شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

مدیر مسئول: شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

حکومت اور …… سے
امراء اور رؤسا سے ……
معاونین سے ……
عوام سے ……
ممالک غیر سے ……

مدینۃ المسیح قادیان دار الامان سے ہر انگریزی ماہ کی ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸ تاریخ کو خدا کے فضل سے شائع ہوتا ہے

قیمت فی پرچہ ۲

جلد ۳۹ | ۶ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۱/۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء یوم دوشنبہ | نمبر ۳۱-۳۲

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ـــ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

حکومت برطانیہ کا تازہ انقلاب

اور

"الفضل"

(حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے)

۱۹ دسمبر کے "الفضل" میں ایک افتتاحیہ حکومت برطانیہ میں تازہ انقلاب کے نام سے چھپا ہے۔ میں اس کے بارہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ گو جو کچھ "الفضل" میں شائع ہوتا ہے ضروری نہیں کہ میری نظروں سے گزرے۔ نہ یہ ضروری ہے کہ اسے پڑھ کر اگر مجھے اختلاف ہو تو میں اس اختلاف کا اظہار کروں کیونکہ الفضل اجمالی طور پر جماعت احمدیہ کا ترجمان ہے، نہ کہ تفصیلی طور پر۔ تفصیلی طور پر لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور ضروری نہیں کہ ہر اختلاف پر گرفت کی جائے۔ بعض باتوں کو ایسی اہمیت نہیں دی جاتی۔ کہ علم ہونے پر بھی ان کی تردید کی جائے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس مقالہ کی تردید ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں بعض اصول کا سوال ہے۔

"الفضل" کے افتتاحیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سابق بادشاہ ایڈورڈ ہشتم نے ایک عورت کی خاطر ملک کو چھوڑ کر کوئی قابل تعریف کام نہیں کیا۔ ان کو مجبور اور قابل ہمدردی سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن ایثار اور قربانی کرنے والا نہیں۔ کیونکہ چھوٹی چیز، بڑی چیز کے لئے قربانی کی جا سکتی ہے۔ نہ کہ بڑی چھوٹی کے لئے۔ اور اس کی تائید میں "الفضل" نے آرچ بشپ آف کنٹربری کے بعض فقروں کو ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ جو یہ ہیں:-

"ایڈورڈ ہشتم کو خدا کی طرف سے ایک اعلیٰ اور مقدس امانت ملی تھی۔ مگر انہوں نے یہ امانت دوسروں کے حوالے کر دینے کے لئے اپنی مخصوص صاف بیانی سے کام لیا۔ وہ یہ اقدام ذاتی خوشی کے حصول کے لئے کر رہے تھے۔ یہ امر افسوس ناک اور حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے اس قسم کے مقصد کے پیش نظر اتنی بڑی امانت کو چھوڑ دیا۔"

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد صاحب عرفانی پرنٹر و پبلشر چھپ کر دفتر الحکم قادیان سے شائع ہوا

کاش "الفضل" کا افتتاحیہ نگار آرچ بشپ آف کنٹربری کے فقروں پر انحصار کرنے کی بجائے واقعات پر غور کرنے کی کوشش کرتا۔ تو وہ اس نتیجہ پر پہنچنے سے محفوظ رہتا جو اس نے اب نکالا ہے۔

جو واقعات اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

(۱) مسز سمپسن کی واقفیت شاہی خاندان سے نئی نہیں۔ وہ شاہ جارج پنجم کے سامنے بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ اور اسی وقت سے ان کی آمد درباری حلقوں میں ہے۔

(۲) سابق شاہ ایڈورڈ ہشتم بھی ان سے آج ملنے نہیں لگے۔ بلکہ مئی ۱۹۳۶ء سے ان کے تعلقات مسز سمپسن سے نہایت گہرے تھے۔ حتّٰی کہ امریکن اخبارات میں مسز سمپسن کی طلاق کے وقوعہ سے پہلے یہ مضامین شائع ہو رہے تھے۔ کہ اب مسز سمپسن طلاق لے لیں گی۔ اور غالباً شاہ ایڈورڈ ہشتم سے شادی کریں گی۔ وہ دیر سے شاہی دعوتوں میں بلائی جاتی تھیں۔ جن میں خود وزیر اعظم بھی شامل ہوتے تھے۔ وہ اکثر اوقات شاہی قلعہ میں رہتی تھیں۔ اور شاہی موٹر ان کی خدمت پر مامور تھے۔ ان سب واقعات کو انگلستان جانتا تھا۔ آرچ بشپ صاحب جانتے تھے۔ وزیر اعظم جانتے تھے۔ مگر سب خاموش تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟

(۳) مسز سمپسن کو انگریزی عدالت میں طلاق ملی۔ ان کی طلاق کے وقت پولیس کی خاص نگرانی کا انتظام کیا گیا۔ پریس کو فوٹو شائع کرنے سے روکا گیا۔ ایک معمولی بروکر کی بیوی کی طلاق پر اس قدر احتیاطیں کیوں برتی گئیں۔ اگر حکومت برطانیہ ان واقعات سے واقف نہ تھی جو شاہی قصر میں رونما ہو رہے تھے تو اسے مسز سمپسن کی طلاق پر اس قسم کی احتیاطیں کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ اور اس نے یہ احتیاطیں کیوں برتیں۔ کیا ایک ڈیوک کی بیوی کی طلاق پر انگلستان میں ایسی احتیاطیں برتی گئی ہیں۔ کیا اس واقعہ کی موجودگی میں حکومت کا کوئی افسر کہہ سکتا ہے کہ اسے صرف امریکہ کے اخبارات سے یہ حالات معلوم ہوئے۔

(۴) اگست میں بادشاہ سیر کے لئے جہاز پر گئے مسز سمپسن بغیر خاوند کے ساتھ تھیں۔ دنیا بھر کو معلوم تھا کیا اس وقت کسی نے احتجاج کیا؟ اول تو شائع شدہ واقعات سے ثابت نہیں کہ ایسا احتجاج ہوا ہو۔ لیکن اگر کوئی احتجاج ہوا تھا تو وہ ایسا کمزور تھا کہ کسی کو کانوں کان معلوم نہیں ہوا۔ حتّٰی کہ آج اس جھگڑے کے وقت بھی اس کا ذکر نہیں کیا جا رہا۔ وزیر اعظم نے اپنے بیان میں صاف تسلیم کیا ہے کہ پہلی دفعہ انہوں نے بادشاہ سے اکتوبر کے آخر میں بات کی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگست کے سفر کے موقعہ پر وہ بالکل خاموش رہے۔ وزیر اعظم کہتے ہیں کہ اس کا باعث یہ تھا کہ ان بہت سے اخبارات کے کٹنگ ان کو بھجوائے گئے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہت پہلے ایسی چہ میگوئیاں شروع تھیں۔ اور یقیناً وہ لوگ حالات سے واقف تھے جو شاہی دعوتوں میں مسز سمپسن کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔

آخر یہ جھگڑا شروع ہوتا ہے۔ بشپ آف بریڈ فورڈ کی ایک تقریر پر جس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ کہ بادشاہ کو مذہب کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیئے۔ بشپ کا یہ کہنا تھا۔ کہ شمالی انگلستان کے اخبارات نے سب سے پہلے شور مچایا۔ اور پھر سارے انگلستان کے اخبارات نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ بشپ آف بریڈ فورڈ نے مسز سمپسن کی شادی کے متعلق اشارہ کیا ہے۔ اور اس معاملہ کے متعلق سختی سے جرح شروع کر دی گئی۔ لطیفہ یہ ہے۔ کہ بشپ آف بریڈ فورڈ نے اس مفہوم کا انکار کیا۔ لیکن یہ مخالف اخبارات برابر شور مچاتے گئے۔ کہ نہیں بشپ صاحب اب جھوٹ بول رہے ہیں۔ اصل میں ان کا یہی مطلب تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ لطیف بات یہ ہے۔ کہ ایک ہی وقت میں ان کی تعریف کی جا رہی تھی۔ کہ بشپ صاحب نے دلیری میں کمال کر دیا۔ کہ ملک کو اس کی ایک اہم ذمہ داری کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور یہ بھی ساتھ کہا جا رہا تھا۔ کہ ان کا بعد کا انکار غلط ہے۔ اور اب وہ صرف پردہ ڈال رہے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں وہ باوجود اعلیٰ مذہبی پیشوا ہونے کے جھوٹ بول رہے ہیں۔ کوئی نہیں سوچتا کہ یہ دلیری اور جھوٹ ایک ہی وقت میں کیوں کر جمع ہو گئے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ بشپ بے چارے نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا۔ اس کا مطلب مسز سمپسن کی شادی کی طرف اشارہ کرنا نہ تھا بلکہ یہی تھا کہ بادشاہِ معظم کو مذہب عیسوی کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیئے۔

خدا بھلا کرے کرنل وجوڈ ممبر پارلیمنٹ کا کہ انہوں نے عین پارلیمنٹ میں اس راز کو فاش کر دیا۔ کہ مسز سمپسن کی شادی تو ایک اتفاقی امر تھا جو پیدا ہو گیا تھا۔ اصل سوال یہی تھا کہ بادشاہ عیسوی مذہب کے پوری طرح قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ جب پارلیمنٹ میں مسز سمپسن کی شادی کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ کرنل وجوڈ صاحب کھڑے ہوئے۔ اور سادگی سے اصل بحث کے متعلق تقریر شروع کر دی۔ اور صاف کہہ دیا۔ کہ صاحبان تاج پوشی کی رسم پر اگر ہمارے پیارے بادشاہ نے مذہبی رسوم ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تو اس پر ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں۔ تاج پوشی کے معنے صرف تاج پوشی کے ہیں۔ یہ کوئی مذہبی عبادت تو ہے نہیں۔ کہ اگر آرچ بشپ آف کنٹربری نے برکت نہ دی تو بس عبادت خراب ہو گئی۔ اگر ہمارا بادشاہ مذہبی رسم کو غیر ضروری قرار دے کر اس سے منکر ہیں تو اس پر اس قدر ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر کنٹربری اور یارک کے آرچ بشپ اور ہمارے وزیر اعظم اس کو مذہبی ہتک خیال کرتے ہوئے کارونیشن کی رسوم میں شامل ہونے سے انکار کریں تو ہمیں اس پر بھی بُرا منانے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ یہ ان کا اپنا کام ہے ہمارا حق نہیں کہ جبر کریں اور ان کی غیر حاضری کے معنی ہرگز یہ نہ لئے جائیں کہ وہ بادشاہ کے وفادار نہیں۔ انہیں غیر حاضری کے باوجود یونہی سمجھا جائے۔ کہ گویا انہوں نے حلف وفاداری لے ہی لیا ہے۔ غرض نہ تو ان رسوم کے ادا کرنے کے انکار پر بادشاہ سلامت کی تخت نشینی میں کوئی کمزوری سمجھی جائے۔ اور نہ ان لوگوں کو باغی سمجھا جائے جو اپنے خاص مذہبی عقاید کی وجہ سے تاجپوشی کی رسم کی شمولیت کو پسند نہ کریں۔

اس تقریر نے واقعات سے مل کر بالکل واضح کر دیا کہ مسز سمپسن کا واقعہ اصل تنازعہ فیہ امر نہ تھا۔ یہ تو ناراضگی کے اظہار کا ایک اتفاقی موقعہ بہم پہنچ گیا۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ جب کارونیشن کی رسوم کی تفصیل طے کرنے والی کمیٹی بیٹھی۔ اور اس نے بادشاہ کے سامنے اپنی رپورٹ رکھی۔ تو بادشاہ نے مذہبی رسم کا حصہ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ میں اس پر یقین نہیں رکھتا۔ اس لئے مجھے معذور سمجھا جائے۔ جب یہ بات وزراء اور پادریوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اسے بُرا منایا۔ اور بعض مذہبی وزراء نے اور پادریوں نے یہاں تک کہہ دیا۔ کہ ہم پھر اس تقریب میں شامل نہ ہوں گے چنانچہ آرچ بشپ آف کنٹربری نے صاف انکار کر دیا۔ اور گو ہندوستان کے اخبارات میں یہ بات شائع نہیں ہوئی لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ اس انکار پر سابق بادشاہ خود موٹر میں بیٹھ کر آرچ بشپ کو ملنے کے لئے گئے اور ان سے اصرار کیا۔ کہ آپ کو میرے مذہبی عقیدہ سے کیا تعلق ہے۔ تاجپوشی کی رسم ایک دنیوی رسم ہے۔ آپ اس میں شمولیت سے کیوں انکار کرتے ہیں۔ مگر وہ اپنے اصرار پر قائم رہے۔ جیسا کہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ انہی دنوں ملکہ میری سے بھی آرچ بشپ صاحب کی ایک لمبی ملاقات ہوئی تھی۔ اور واقعات سے اگر نتیجہ اخذ کیا جائے۔ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ملاقات کی غرض یا تو یہ تھی کہ آرچ بشپ صاحب ملکہ کے ذریعہ بادشاہ پر اثر ڈالنا چاہتے تھے یا ملکہ اپنے بیٹے کے حق میں آرچ بشپ صاحب کو راضی کرنا چاہتی تھیں۔ بہر حال یہ ایک ناقابل تردید واقعہ ہے۔ کہ مسز سمپسن کے ساتھ متعلقہ واقعات پر باوجود علم کے خاموشی اختیار کی جاتی تھی۔ حتّٰی کہ وہ دن آگیا۔ جب بادشاہ نے ایک اہم مذہبی رسم ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ تب فوراً مسز سمپسن کے واقعات پر بشپ بریڈ فورڈ کی طرف منسوب کر کے جرح شروع ہو گئی۔ حالانکہ بشپ بریڈ فورڈ مسز سمپسن کے واقعہ کی طرف اشارہ کرنے سے خود انکاری ہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ میں نے تو یہی کہا تھا۔ کہ بادشاہ مذہب کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں۔ اور مذہبی رسوم میں حصہ نہیں لیتے۔ اور اس سے زیادہ میرا منشا نہ تھا۔

بشپ کے اس انکار سے صاف ظاہر ہے۔ کہ انہوں نے درحقیقت اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا جس کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں۔ لیکن یا تو سکاٹ لینڈ کے اخبارات نے ان کے مضمون کو غلط سمجھا۔ یا مصلحتاً ان کے اشارہ کو نظر انداز کر کے ایک اور امر

[ا]ن منسوب کر دیا۔ تاکہ اصل مسئلہ زیر بحث نہ آ سکے۔ کیونکہ دُنیا کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کہ بادشاہ انگلستان بعض یا کل رسوم مسیحیت پر یقین نہیں رکھتے ایک [ا]یسی بات تھی جسے پادری مسیحیت کے لئے مُضر سمجھتے تھے [او]ر اسے زیر بحث نہیں لانا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آرچ بشپ آف کنٹر بری نے اپنے بعد کے اعلان میں اشارتاً بشپ آف بریڈ فورڈ کو تنبیہ کی ہے۔ کہ انہوں نے کیوں اس مسئلہ پر عام مجلس میں روشنی ڈالی۔ اور شاہ ایڈورڈ ہشتم کی دست برداری کے بعد تو انہوں نے صریح لفظوں میں خود ہاؤس آف لارڈز میں کہہ دیا کہ مجھ خوش ہیں کہ اب وہ نئے بادشاہ کی تاجپوشی میں بلا ضمیر کشی کے شامل ہو سکیں گے۔ جس کے صاف معنے ہیں کہ ان کے دل پر یہ گراں گزر رہا تھا۔ کہ سابق بادشاہ نے تخت نشینی کے موقعہ پر ایک اہم مذہبی رسم کے ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ان حالات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ مسز سمپسن کے تعلقات پر غصہ حقیقی نہ تھا۔ کیونکہ وہ تعلقات بہت پرانے تھے۔ اصل غصہ بعض لوگوں کو یہ تھا۔ کہ بادشاہ نے ایک مذہبی رسم کو تاجپوشی کے متعلق کیوں منسوخ کر دیا ہے۔ مسز سمپسن کا ذکر بعض اخبارات نے دیدہ و دانستہ اس لئے چھیڑ دیا۔ تاکہ مذہب کا سوال زیر بحث نہ آ سکے۔ یا بشپ بریڈ فورڈ کی تقریر کو غلط سمجھ کر ایسا کیا۔ اور چونکہ یہ مسئلہ بھی اہم تھا۔ اس نے فوراً ایک اہمیت اختیار کر لی ؛

اس تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ کیا سوال یہ تھا۔ کہ بادشاہ ایک عورت کو قبول کریں۔ یا بادشاہت کے فرائض کو۔ یا یہ تھا۔ کہ بادشاہ ایک ایسے اصل کو اختیار کریں۔ جو بادشاہت سے بھی زیادہ تھا۔ یا بادشاہت کو۔ یقیناً سوال بادشاہت اور عورت کا نہ تھا۔ بلکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ سوال دو اصول کا تھا۔ پادریوں اور ان کے ہمدردوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا تھا۔ کہ ایک بادشاہ جسے ڈیفنڈر آف فیتھ کہا جاتا ہے۔ یعنے محافظ عیسائیت۔ اگر وہی بعض مذہبی رسوم کے ادا کرنے سے انکار کر دے۔ تو ملک کی طاقت اور اس کے اتحاد کا کیا باقی رہ جاتا ہے۔ اور بادشاہ کے دل میں یہ سوال تھا۔ کہ جس چیز کو میرا دل نہیں مانتا میں اسے کس طرح حکومت کی خاطر تسلیم کر لوں۔ اس حد تک دونوں فریق اپنے اپنے اصول کی تائید میں جھگڑ رہے تھے۔ اور ہم دونوں میں سے کسی کو ملامت نہیں کر سکتے۔ اور اگر اس امر کے خیال سے کہ جھگڑا کئی صورتوں میں آئندہ بھی ظاہر ہوتا رہے گا۔ بادشاہ نے یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ مسز سمپسن کی بحث کے موقعہ پر ہی اس قضیہ کو ختم کر دینا چاہیئے۔ تو یقیناً انہوں نے ایک اصل کی خاطر قربانی کی ؛

ہمیں اس وقت تک نہیں معلوم کہ سابق بادشاہ کے اصل عقاید کیا تھے۔ آیا صرف عیسائیت کے خلاف یا مذہب کے خلاف۔ اس لئے ہم ان کی تردید یا تائید نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ان کا جو کچھ بھی عقیدہ تھا۔ انہوں نے اس کی خاطر ایک عظیم الشان بادشاہت کو چھوڑنا پسند کیا۔ اور یہ امر یقیناً ایک قربانی ہے۔ اور اس کا انکار کسی صورت میں بھی نہیں کیا جا سکتا باقی رہا ان کا عقیدہ سو ممکن ہے۔ کہ وہ غلط ہو۔ لیکن ایک غلط عقیدہ کے لئے بھی جو قربانی کی جائے وہ قربانی ہی ہوتی ہے۔ جنہوں نے بتوں کی خاطر جان دی۔ ہم ان کی قربانی کو غلط قربانی کہیں گے۔ لیکن ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ دیانت دار لوگ تھے۔ اور اپنے غلط عقیدہ کے لئے جسے وہ سچا سمجھتے تھے انہوں نے اپنی جان تک قربان کر کے ثابت کر دیا۔ کہ ان کی رُوح بلندی کے حصول کے لئے بے تاب تھی۔ گو بعض گناہوں کی شامت کی وجہ سے وہ ہدایت نہ پا سکے۔ اسی طرح سابق بادشاہ کا معاملہ ہے۔ یعنے بوجہ علم نہ ہونے کے ہم ان کے عقائد کی نسبت گو کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتے۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایک طرف بادشاہت تھی اور ایک طرف ان کے ذاتی عقاید انہوں نے سب سے پہلا موقعہ جو ان کو ملا جس میں وہ بادشاہت کو ترک کر سکتے تھے۔ اسے ضائع نہ کرتے ہوئے تخت سے دست برداری دے دی۔

معاملہ کی اس منزل تک ہم پادریوں پر بھی الزام نہیں لگا سکتے۔ ان کی ایک حکومت تھی۔ اور اس کی مذہبی شکل کو قائم رکھنا ان کا فرض تھا۔ انہوں اس حد تک جو کچھ کیا وہ درست تھا۔

اب میں اس معاملہ کو لیتا ہوں جو ذریعہ بن گیا اس جھگڑے کے فیصلہ کا۔ جو اندر ہی اندر چل رہا تھا۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مذہب کا جھگڑا ابھی جاری تھا۔ لیکن بادشاہ نے تخت چھوڑا تو مسز سمپسن کی شادی کے سوال پر ہے۔ پھر اسے قربانی کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اوّل تو جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔ درحقیقت شادی کے سوال کو اہم مذہبی سوال نے بنا دیا تھا۔ اور اسے بادشاہ بھی خوب سمجھتے تھے۔ پس درحقیقت فیصلہ کی بنا ان اثرات پر تھی جو وہ خیالات پیدا کر رہے تھے۔ جو مذہبی جھگڑے کے نتیجہ میں بادشاہ کے دل میں پیدا ہو رہے تھے

دوم یہ کہ اس شادی کا سوال بھی ایک اصُولی سوال تھا۔ پادریوں کو اس شادی پر یہ اعتراض نہ تھا۔ کہ مسز سمپسن کے اخلاق اچھے نہیں۔ اس بارہ میں سب لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ اعتراض کی وجہ یہ تھی کہ یہ عورت طلاق یافتہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اسے طلاق کس نے دی تھی۔ کیا انگلستان کے اس قانون نے نہیں۔ جسے پارلیمنٹ پاس کر چکی ہے۔ اگر طلاق بُری شے ہے تو پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیوں کیا تھا ؟ اور اگر بُری نہیں تو بادشاہ کی شادی پر اعتراض کیوں تھا ؟ اور کس قانون کے ماتحت تھا ؟

یہ امر بارہا واضح ہو چکا ہے۔ کہ سابق بادشاہ قانون کے مطابق شادی کرنے کا پورا اختیار رکھتے تھے۔ اگر یہ بات ہے۔ تو پھر یہ کہنا کہ بادشاہ نے بادشاہت کو ایک عورت کی خاطر چھوڑ دیا کس طرح درست ہو سکتا ہے مقابلہ تو ان دو چیزوں کا ہوتا ہے جو ایک وقت میں جمع نہ ہو سکیں۔ جب قانون بادشاہ کو شادی کا پورا اختیار دیتا تھا۔ تو پھر شادی کی خاطر انہوں نے تخت کو کس طرح چھوڑا ؛

غرض سوال یہ نہ تھا کہ بادشاہ شادی کریں یا تخت پر رہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور سوال تھا جس کی وجہ سے بادشاہ کو یہ طریق اختیار کرنا پڑا۔ اور وہ سوال یہ تھا۔ کہ ان پر زور ڈالا جاتا تھا۔ کہ اگر ایک مطلقہ عورت سے آپ نے شادی کی تو ملک کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ جو لوگ طلاق کے قائل نہیں وہ اس کی برداشت نہ کر کے حکومت سے الگ ہو جائیں گے۔ اور خصوصاً آئرلینڈ اور کینیڈا کا نام لیا جاتا تھا کہ ان میں کثرت رومن کیتھولکوں کی ہے جو طلاق کو نہیں مانتے۔ اگر ایسی شادی ہوئی تو وہ ناراض ہو جائیں گے بادشاہ کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ جب ملک نے طلاق کو جائز قرار دے دیا ہے۔ تو بادشاہ اور غیر بادشاہ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ پس اگر اپنا جائز حق استعمال کرتا ہوں۔ تو کسی کو اس پر ناراضگی کیوں ہو۔ آخر میں اپنے اس فعل سے ملک کو کیا نقصان پہونچاتا ہوں وزراء کا جواب یہ تھا کہ شادی کے متعلق آپ کا اختیار ہے مگر ہم آپ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر آپ نے یہ شادی کی تو ملک کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ خود ہمارے ملک میں بھی گو قانون طلاق پاس ہو چکا ہے۔ مگر پادری اسے صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ پس ملک میں بھی اور ملک کے باہر بھی فساد ہو جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر سابق بادشاہ ایام بادشاہت میں یہ شادی کرتے تو ضرور فساد ہو جاتا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کے خلاف شور کرنے والے لوگ تھوڑے تھے۔ اور بادشاہ کی تائید کرنے والے لوگ زیادہ۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ملک کے مقبول اخبار جو پچاس پچاس لاکھ شائع ہوتے ہیں سب بادشاہ کے حق میں تھے۔ اور بعض ممبران پارلیمنٹ نے تو پارلیمنٹ میں صاف کہہ دیا تھا۔ کہ اگر بادشاہ نے شادی کی اور ملک سے رائے لی گئی تو ملک بادشاہ کے حق میں رائے دے گا۔ اور اس وقت بھی جو ملک میں سابق بادشاہ کے خلاف عام ناراضگی ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے عورت کی خاطر بادشاہت چھوڑی۔ بلکہ اکثریت کو یہ ناراضگی ہے کہ کیوں انہوں نے شادی نہ کر لی۔ اور ہم پر اعتبار نہ کیا ؛

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سابق بادشاہ نے پھر کیوں شادی نہ کر لی۔ اور بادشاہت سے دست بردار

ہو گئے یا پھر کیوں تخت چھوڑا اور شادی کا خیال نہ چھوڑا سو اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اگر تخت پر رہتے ہوئے میں نے شادی کی تو ملک میں فساد ضرور ہو گا۔ گو اکثریت میرے ساتھ ہو گی لیکن پھر بھی ایک زبردست اقلیت مقابلہ پر کھڑی ہو جائے گی۔ اور اسی طرح بعض نو آبادیاں بھی شورش پر آمادہ ہو جائیں گی۔ بادشاہ نے آخری جدوجہد یہ کی کہ وزراء سے کہہ دیا۔ کہ آپ لوگوں کو ایک مطلقہ عورت کے ملکہ ہونے پر ہی اعتراض ہو سکتا ہے۔ سو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ کہ ایک خاص قانون بنا دیا جائے کہ میری بیوی ملکہ نہ ہو گی۔ لیکن وزارت نے اس سے بھی انکار کیا۔ پس صورتِ حالات یہ پیدا ہو گئی کہ ایک طرف تو اس مشکل کا واحد حل کہ بادشاہ کی بیوی ملکہ نہ ہو وزارت نے مہیا کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف بادشاہ یہ دیکھ رہے تھے کہ میرے سامنے دو چیزیں ہیں۔ ایک طرف ملک نہیں۔ بلکہ ملک کی ایک اقلیت کی خواہش کہ ایک مطلقہ عورت سے شادی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور دوسری طرف یہ سوال کہ ایک عورت جو مجھ سے شادی کے لئے تیار ہے۔ اور جس سے شادی کا میں وعدہ بھی کر چکا ہوں۔ اس کو اس وجہ سے چھوڑ دوں کہ چونکہ تو مطلقہ ہے اس لئے میرے ساتھ شادی کے قابل نہیں۔ ایک طرف ایک اقلیت ہے جسے قانون کوئی حق نہیں دیتا۔ اور دوسری طرف ایک ایسے وجود کو زیر الزام لا کر چھوڑنا ہے جسے قانون شادی کا حق بخشتا ہے۔ یقیناً ایسی صورت میں بادشاہ کے لئے ایک ہی راستہ کھلا تھا کہ وہ اس کا ساتھ دیتے جس کے ساتھ قانون تھا۔ لیکن چونکہ ایسا کرنے میں ملک میں فساد کا اندیشہ تھا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ میں اس عورت کی بے عزتی نہیں ہونے دوں گا جس سے میں نے وعدہ کیا ہے۔ اور میں ملک میں فساد بھی نہیں ہونے دوں گا۔ پس ان دونوں صورتوں کے پیدا کرنے کے لئے میں وہ قدم اٹھاؤں گا جس کے اٹھانے کے لئے غالباً بہت سے لوگ تیار نہ ہوں گے۔ یعنی میں بادشاہت سے الگ ہو کر ملک کو فساد سے اور اپنی موعودہ بیوی کو ذلت سے بچا لوں گا۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان حالات میں یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ کہ انہوں نے ملک کو ایک عورت کی خاطر چھوڑ دیا۔ اگر ملک کی اکثریت کا مطالبہ یہ ہوتا کہ وہ اس عورت کو چھوڑ دیں۔ یا قانون کا مطالبہ یہ ہوتا کہ وہ اس عورت کو چھوڑ دیں۔ تو بے شک ہم کہہ سکتے تھے کہ بادشاہ نے ایک عورت کی خاطر ملک کو چھوڑ دیا۔ مگر ملک کی اکثریت بادشاہ کی تائید میں تھی جس کا ثبوت مقبول پریس کی تائید سے اور ان مظاہرات سے ملتا ہے۔ جو ان دنوں کئے گئے۔ اور قانون بھی ان کی تائید میں تھا۔ کیونکہ قانون نے طلاق کو جائز قرار دے کر مطلقہ عورت کی حیثیت کو سوسائٹی میں

قائم کر دیا ہے۔ پس جب ملک اور قانون بادشاہ کی تائید میں تھے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ بادشاہ نے ملک کو عورت کی خاطر نہیں چھوڑا۔ بلکہ ملک کو فساد سے بچانے کے لئے اور قانون کی عزت کے قیام کے لئے اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بادشاہت کو چھوڑا۔ اور یہ یقیناً ایک قربانی ہے۔ اور اس معاملہ میں ان پر اعتراض کرنے والے پادری یقیناً غلطی پر تھے اور ہیں ٭

کیا یہ بات سمجھنی ہمارے لئے مشکل ہے۔ کہ ان پادریوں کی نیت ہرگز درست نہیں ہو سکتی۔ جو اس وقت تک تو خاموش رہے۔ جب تک کہ بادشاہ کے تعلقات خواہ محدود طور پر لیکن آزادانہ طور پر مسز سمپسن سے قائم تھے۔ لیکن جب وہ اس سے شادی کرنے لگے اور اپنے تعلق کو قانون اور اخلاق کی حدود میں لانے لگے۔ تو ان پادریوں نے شور مچایا کہ بادشاہ کا یہ فعل ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جس عورت کا پہلا خاوند زندہ ہو۔ وہ ہماری ملکہ کیونکر ہو سکتی ہے۔ بعض نادانوں نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا کہ بادشاہ چاہیں تو پرائیویٹ تعلقات اس عورت سے رکھ سکتے ہیں۔ لیکن شادی کر کے مطلقہ عورت کو عزت بخشنا ان کے لئے جائز نہیں۔ کیا ایسے لوگوں کی باتوں کو ہم معقول کہہ سکتے ہیں۔

غرض گو پہلے اور اصل جھگڑے میں جو مذہب کے متعلق تھا بادشاہ اور پادری دونوں ہی قانون اور فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے حق پر تھے۔ لیکن مسز سمپسن کی شادی کے سوال میں صرف بادشاہ حق پر تھے۔ اور ان پر اعتراض کرنے والے ملک کی اکثریت اور ملک کے قانون کے خلاف چل رہے تھے۔ اگر سابق بادشاہ بادشاہ رہتے ہوئے یہ شادی کر لیتے تو قانون یقیناً ان کی طرف ہوتا۔ ملک کی اکثریت یقیناً ان کی طرف ہوتی لیکن فساد ضرور ہوتا۔ اور اسی سے بچنے کے لئے انہوں نے تخت کو چھوڑ دیا ٭

ہمارے لئے تو یہ سوال ایک اور طرح بھی اہم ہے اور وہی اس وقت میرے مضمون لکھنے کا موجب ہوا۔ اور وہ یہ کہ اس واقعہ سے ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی ہے۔ اور آپ پر لگائے جانے والے اعتراضوں میں سے ایک اعتراض دور ہوا۔ پیشگوئی تو یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں عیسائیت آپ ہی آپ پگھلنی شروع ہو جائے گی۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو گا کہ مسیحیت کی نمائندہ حکومت میں یعنی دنیا کی اس واحد حکومت میں جس کے بادشاہ کو محافظِ عیسائیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایسے تغیرات پیدا ہو رہے ہیں۔ کہ اس کے ایک نہایت مقبول بادشاہ نے مسیحیت کی بعض رسوم ادا کرنے سے اس وجہ سے انکار کر دیا۔ کہ وہ ان میں یقین نہیں رکھتا اور اعتراض جس کا ازالہ ہوا ہے یہ ہے۔ کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق کو جائز قرار دیا۔ اور مطلقہ عورتوں سے شادی کی کیونکہ دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ طلاق کی ضرورت اب اس شدت سے تسلیم کی جاتی ہے۔ اور مطلقہ عورت کی عزت جبکہ وہ اخلاقی الزام سے متہم نہ ہو اس صفائی سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ بادشاہ اس سوال کو حل کرنے کے لئے اپنی بادشاہت تک کو ترک کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

ایک برطانوی مسلمان کا دل اس وقت کس طرح خوشی سے اچھل رہا تھا۔ جبکہ وہ گذشتہ واقعات کو پڑھتے ہوئے یہ دیکھتا تھا۔ کہ عیسائیت کے خلاف وہی نہیں بلکہ اس کا بادشاہ بھی لڑ رہا ہے۔ اور اسلام کے کسی دشمن کے اعتراض کو وہی دور نہیں کر رہا بلکہ اس کا مسیحی کہلانے والا بادشاہ بھی اس اعتراض کی لغویت ثابت کرنے کے لئے اپنے تخت کو چھوڑنے کو تیار ہے ٭

پادری سمجھتے ہیں کہ وہ اس جنگ میں کامیاب رہے ہیں۔ لیکن ایڈورڈ کی قربانی ضائع نہیں جائے گی۔ کیونکہ وہ پیشگوئیوں کے ماتحت ہوئی۔ یہ بیج بڑھے گا۔ اور ایک دن آئے گا کہ انگلستان نہ صرف اسلامی تعلیم کے مطابق طلاق کو جائز قرار دے گا۔ بلکہ دوسرے مسائل کے متعلق بھی وہ اسلامی تعلیم کے مطابق قانون جاری کرنے پر مجبور ہو گا۔ بادشاہ آخر کیا ہوتا ہے ٭ ملک اور قوم کا خادم۔ خادم اپنے آقا کے لئے جان دیا ہی کرتے ہیں۔ ایڈورڈ نے اپنی قربانی دے کر آئندہ عمارت کی پہلی اینٹ مہیا کی ہے۔ اس کے بعد دوسری اینٹیں آئیں گی۔ اور ایک نئی عمارت تیار ہو گی۔ جس پر انگلستان بجا طور پر فخر کر سکے گا۔

خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ شاہ ایڈورڈ کے آخری ایام حکومت میں ان کے خیالات کی رو کس طرف کو جا رہی تھی۔ لیکن جو کچھ واقعات سے سمجھا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ خیال کرتے تھے۔ کہ مجھے اپنے ملک کے مذہب سے پوری طرح یا جزوی طور پر اختلاف ہے بعض بڑے پادریوں کو مجھ سے شدید اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ جب وہ ایک ایسے امر سے مجھے روک رہے ہیں۔ جس کی قانون اجازت دیتا ہے۔ تو کل وہ مجھ سے اور کیا کچھ مطالبہ نہ کریں گے۔ اس وقت ملک میرے ساتھ ہے۔ ممکن ہے کل کوئی ایسا سوال پیدا ہو کہ ملک بھی میرے خلاف ہو۔ پھر ان حالات میں کیوں ملک کی ایک اقلیت کی خاطر میں اپنے وعدہ کو ترک کروں۔ اور ایک عورت کو دنیا بھر میں اس الزام سے مطعون کر دوں۔ کہ دیکھو یہ وہ عورت ہے جس سے ایڈورڈ نے اس وجہ سے شادی نہ کی کہ وہ مطلقہ تھی۔ پس کیوں نہ میں اس جھگڑے کا آج ہی خاتمہ کر دوں۔ اور ملک کو آئندہ فسادات سے

بچالوں۔ اس کے بر خلاف وہ پادری جو سابق بادشاہ کی مخالفت کر رہے تھے۔ ان کے خیالات کی رو یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ بادشاہ مذہب عیسویت سے متنفر معلوم ہوتا ہے۔ آج موقعہ ہے۔ آئرلینڈ۔ اور کینیڈا اور کیتھولک مذہب کے زور کی وجہ سے مسئلہ طلاق میں تعصب رکھتے ہیں۔ اگر اس وجہ سے ہم بادشاہ کا مقابلہ کریں۔ تو جن دو نتائج کے نکلنے کا امکان ہے۔ دونوں ہمارے حق میں مفید ہوں گے۔ اگر بادشاہ دب گئے تو آئندہ کو ہمارا رعب قائم ہو جائے گا۔ اور اگر بادشاہ تخت سے الگ ہو گئے تو ہمارے راستہ سے ایک روک دُور ہو جائے گی ؛

خیالات کی ان دونوں روؤں کا مقابلہ کر لو اور پھر سوچ لو۔ کہ کیا یہ کہنا درست ہے کہ "آہ (ایڈورڈ ہشتم پر) کس قدر افسوس ہے۔ آہ کس قدر افسوس ہے" یا یہ کہنا درست ہے کہ ان پادریوں پر جنہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ایک خادم قوم اور مخلص بادشاہ کو باوجود اس کے کہ قانون اس کے حق میں تھا۔ تخت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ افسوس ہے آہ کس قدر افسوس ہے ؛

خلاصہ یہ کہ بادشاہ کے ساتھ بعض لوگوں کا (انگلستان کا نہیں) جھگڑا وہ نہیں تھا جو بعض ناواقف لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ مذہب اور قانون کے احترام کا جھگڑا تھا۔ بادشاہ اپنے منفرد مذہب پر اصرار کرتے تھے۔ اور پادری قومی مذہب پر (حالانکہ قومی مذہب مذہب نہیں سیاست ہے۔ جبکہ اس کا اثر اصولی مسائل پر بھی پڑتا ہو) اور بادشاہ قانون کا احترام کرتے ہوئے قانون پر عمل کرنے کو تیار تھے لیکن ان کے مخالفوں کا یہ اصرار تھا۔ کہ یہ قانون دکھاوے کے لئے ہے عمل کرنے کے لئے نہیں۔ قانون طلاق کی اجازت دیتا ہے مگر مذہب نہیں بادشاہ چونکہ مسیحیت کے کُلّی طور پر یا جزوی طور پر قائل نہ رہے تھے۔ انہوں نے قانون پر زور دیا جو ان کی ضمیر کی آواز کی تصدیق کرتا تھا۔ اور آخر ملک کو فساد سے بچانے کے لئے تخت سے دست برداری دے دی ؛

بعض احباب جو ایک حد تک واقعات کی تہ کو پہونچے ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ زندہ باد ایڈورڈ۔ یہ بھی درست ہوگا۔ مگر میں تو ان حالات کے محرکات کو دیکھتے ہوئے یہی کہتا ہوں :۔

محمدؐ زندہ باد! زندہ باد محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)

خاکسار

مرزا محمود احمد

(۲۰ دسمبر ۱۹۳۶ء)

وصیت نمبر ۴۲۸۴

منکہ فتح محمد ولد شادی قوم ارائیں پیشہ زراعت ملازمت عمر ۴۴ سال تاریخ بیعت سال ۱۹۱۳ء ساکن چھاؤنی محلہ گھاچیاں ٹاکی لودیانہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲/۴/۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

چونکہ اس وقت میری جائداد غیر منقولہ ایک مکان پختہ دو منزلہ و بچھا اراضی مالیتی تخمیناً پندرہ ۱۵۰۰ سو روپیہ کی ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ چونکہ میرا گزارہ اس وقت اس حصہ جائداد پر نہیں۔ بلکہ محکمہ پولیس میں بعہدہ کانسٹیبل بمشاہرہ مبلغ ۲۰/- روپیہ ماہوار پر ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی جو ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا۔ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دار الامان کے کرتا ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں اس حصہ جائداد غیر منقولہ میں سے کوئی رقم داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے کرونگا۔ تو اس کی رسید لونگا۔ جو اصل رقم مذکورہ ۱/۱۰ حصہ سے منہا تصور ہوگی۔

نوٹ :۔ بوقت وفات اگر کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ اس کے علاوہ اور ثابت ہوگی۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اس کی تعمیل کے لئے میرے ورثاء کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

العبد۔ فتح محمد احمدی ولد شادی قوم ارائیں چھاونی لودیانہ محلہ گھاچیاں بقلم خود

گواہ شد۔ محمد رمضان خلف چودھری فتح محمد صاحب احمدی موصی

گواہ شد۔ سید محمد علی شاہ انسپکٹر بیت المال قادیان

گواہ شد۔ برکت علی لائق پریزیڈنٹ جماعت احمدیہ لودھیانہ

نمبر ۴۵۲۶

منکہ احمد عبد العزیز ولد شیخ امام مرحوم قوم شیخ پیشہ زراعت عمر تخمیناً ۵۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن موضع تلاپور ڈاکخانہ و اسٹیشن لنگم پلی تحصیل تعلقہ کلیگور ضلع میدک بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

ف ۱ میں سر دست بے کار ہوں۔ کوئی ملازمت نہیں کرتا ہوں البتہ میرے ذاتی و موروثی اراضیات قابل کاشت موضع تلاپور تعلقہ کلیگور ضلع میدک میں تخمیناً بارہ ایکڑ تری و خشکی جس کی قیمت تخمیناً چھ سو روپیہ سکہ عثمانیہ ہے اس پر میری گذر بسر ہے سالانہ تخمیناً تعلقہ ۹۰ روپے میری آمدنی ہے۔ اب تک میں سالانہ چندہ سکہ عثمانیہ دیا کرتا تھا۔ اب اپنی آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ ماہوار تازیست انشاء اللہ تعالیٰ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان شریف دیتا رہونگا

ف ۲ ماسوا اراضیات مذکور کے ایک مکان مسکونہ واقع موضع مذکور قیمتی ایک ہزار عثمانیہ موجود ہے اس کے متعلق بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان شریف کرتا ہوں۔

ف ۳ میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائداد ہو اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان شریف بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی ؛

ف ۴ اگر ماسوا زراعت کے ملازمت یا کوئی کاروبار کروں تو اس کی آمد پر بھی ۱/۱۰ حصہ حسب وصیت صدر دیتا رہونگا ؛

نوٹ :۔ جائداد مذکورہ صدر پر بلا شرکت غیرے میں قابض و متصرف ہوں ؛ فقط ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء

العبد :۔ احمد عبد العزیز

گواہ شد :۔ محمد عبد الحمید برادر زادہ موصی

گواہ شد :۔ عبد السلام فرزند اکبر موصی

گواہ شد :۔ نشان انگوٹھا شرف النساء زوجہ موصی

گواہ شد :۔ عبد الحکیم برادر زادہ موصی

نمبر ۴۵۳۴

منکہ غلام اکبر خان المخاطب بہ نواب اکبر یار جنگ ولد مولوی محمد شبر خان احمدی مرحوم قوم پٹھان پیشہ ملازمت سرکاری جج ہائیکورٹ عمر تخمیناً اٹھاون سال تاریخ بیعت ماہ جون ۱۹۰۸ء ساکن عنبر پیٹھ ریاست حیدرآباد دکن بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ یکم فروری ۱۳۴۵ء مطابق ۳ فروری ۱۹۳۶ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

اس وقت میری جائداد حسب ذیل ہے۔ جکی قیمت تخمیناً ایک لاکھ عثمانیہ سے زائد ہی ہوگی۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس جائداد پر نہیں ہے۔ بلکہ ماہوار آمدنی بھی ہے۔ جو کہ اس وقت دو ہزار سکہ عثمانیہ ہے۔ لیکن چند سال کے بعد اگر زندہ رہا۔ تو پنشن ہو کر ایک ہزار عثمانیہ ماہوار آمدنی رہ جائیگی۔ میں تازیست اپنی اس ماہوار آمدنی کا جبتک یہ مجھے حاصل ہوتی رہے۔ ۱/۱۰ حصہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری جائداد غیر منقولہ جو بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ اس جائداد کی قیمت کے طور پر خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں داخل کر دوں۔ تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔

یہ حصہ میری جائداد غیر منقولہ سے بعد وضع قرضہ ادا کیا جائیگا۔ قرضہ کا بار جائداد پر مقدم رہیگا۔ بعد ادائی دیون سب سے پہلے ۱/۱۰ حصہ وصیت ادا کیا جائیگا۔ اس کے بعد ورثاء میں جائداد تقسیم کی جائیگی۔

تفصیل جائداد غیر منقولہ جس کی وصیت کی گئی۔

۱۔ مکان معہ اراضی ۱۰ ایکڑ جس میں ایک باغ بھی ہے واقع عنبر پیٹھ قیمتی پچاس ہزار عثمانیہ

۲۔ مکان واقع نرپ بازار قیمتی پچاس ہزار عثمانیہ

قرضجات میرے ذمہ اس وقت

۱۔ فرم موسومہ بنسی لال موتی لال کا تقریباً چالیس ہزار عثمانیہ

۲۔ اور دوسرے متفرق قرضجات دس ہزار عثمانیہ کے اندر ہیں تفصیل ان قرضجات کی اس وقت نہیں کی سکتی ہے۔ تاریخ وفات تک اس قرضہ میں جس قدر کمی و زیادتی ہوگی۔ اس کا دائنین سے معلوم ہو سکیگا۔ ان جملہ دیون کی ادائی کے بعد جائداد غیر منقولہ کی قیمت جو وقت پر آئے۔ اس سے ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ کو اس وصیت کے مطابق دیا جائیگا :۔ العبد اکبر یار جنگ

گواہ شد :۔ غلام احمد فرزند اکبر موصی۔ گواہ شد :۔ فضل حق ہمشیرہ زادہ موصی

سیرت المہدی کا ایک ورق

روایات حضرت میر مہدی حسین صاحب موج کے قلم سے

(۳)

روایت نمبر ۱۳

حضرت اقدس نے مجھے امرتسر سے بعض اشیاء لانے کے لئے حکم دیا۔ فہرست میں میں نے دیکھا ایک چیز چرونجی بھی لکھی ہے جس کے نیچے آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ قوت باہ کے لئے۔ میں نے امرتسر سے یہ چیز لاہور کی آدھ پاؤ لا کر دی میری اہلیہ محترمہ ضلع شاہجہانپور کی ہے۔ اور ان کے گھر میں احمدیت ابتداء سے جلوہ افگن ہے۔ اور ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بچپن سے عشق ہے۔ اور حضرت اقدس ان کو بروقت طبع ہر ایک کتاب بھیجا کرتے تھے۔ مجھے بتایا کہ حضرت ام المومنین نے ہم کو لکھا کہ چرونجی وہاں سے بھیجو۔ تو ہم نے قریباً اڑھائی سیر پختہ پارسل کر کے بھیجی تھی۔

میں نے ایام عارضہ چشم میں جبکہ میری آنکھ فروری ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن نے بنائی۔ ایک دوست کی معرفت ایک پاؤ منگوائی تھی جس کے کھانے سے مجھے بہت طاقت ملی۔ اور آنکھ جلدی درست ہو گئی۔ یہ چیز کسی غیر ملک سے آتی ہے۔ مگر ہندوستان میں کثرت سے آتی ہے۔ غالباً یوپی کے کسی پہاڑ سے آتی ہے۔ مگر بہت مفید چیز ہے۔ پستہ اور بادام سے زیادہ نفع رساں ہے۔ میں نے حضرت کا یہ نسخہ بھی آزمایا ہے۔ دوسروں کو بھی ترغیب دیتا ہوں کہ ہندوستان کے رہنے والوں سے منگا کر فائدہ اٹھائیں۔ جلسہ پر آنے والے احباب تحفہ بھی بنا سکتے ہیں۔ اور تجارت بھی کر سکتے ہیں۔

روایت نمبر ۱۴

۱۹۰۱ء میں جب میں نے ہجرت کر کے قادیان میں قیام اختیار کیا۔ اور ایک نظم لکھی جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔ کہ

خدایا شکر ہے تیرا کہ مجھ کو قادیاں لایا

تو حضرت اقدس نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ ہمارے لنگر میں بالن (ایندھن) نہیں رہا۔ تم دیہات سے اوپلے تلاش کر کے لاؤ۔ اور چار روپیہ مجھ کو قیمت اور کرایہ گڈہ کے لئے دیئے۔ اور فرمایا کہ آج شام تک بالن آ جانا چاہیئے تا صبح کو روٹی پک سکے۔ میں نے سوچا کہ میں علاقہ سے ناواقف ہوں شام تک کس طرح لا سکوں گا۔ یہ سوچ کر میں مسجد مبارک کے اوپر چڑھ گیا۔ اور منارہ موجودہ کے قریب کھڑا ہو کر دعا کرنے لگا۔ کہ یا الٰہی تیرے مسیح نے مجھے یہ حکم دیا ہے۔ اور میں بالکل اس کام سے نابلد ہوں۔ مجھے یہ بتلا دیا جائے کہ کس سمت کو جاؤں۔ جہاں سے شام تک لے کر آ جاؤں۔ یہ دعا میں نے بڑے الحاح سے منارہ کی طرف اوپر کو منہ کر کے کی۔ دو تین مرتبہ مانگنے کے بعد مجھے ایک غیبی آواز سنائی دی کہ ریگستان ہے میں اس کا مطلب نہ سمجھا اور عرض کی کہ حضور مجھے سمت بتلا دی جائے (میرے پاؤں میں ایک زخم تھا جس کی وجہ سے فقرہ مذکور القاء ہوا۔ پھر مجھے یہ سمجھ آ گئی کہ خداوند جل شانہٗ نے از راہ کرم و غریب نوازی فرمایا ہے کہ ریگستان میں چلنے سے زخم کو نقصان ہو گا۔ میں نے پھر عرض کی کہ حضور میں لنگڑا ہی چلا جاؤں گا۔ مگر مجھے ملنے کی سمت بتلا دی جائے۔ جہاں سے میں شام تک فائز المرام ہو کر واپس آ سکوں۔ اس پر پھر مجھے غیبی آواز نے بشارت دی کہ یہیں آ جائیگا کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ سن کر سجدہ کیا اور عرض کی کہ مسیح کے کام اسی طرح کرو گے تو پورے ہوں گے۔ اور میں اطمینان سے وہیں بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر میں مجھے فکر ہوئی کہ نہ میں نبی ہوں نہ ولی ہوں ایسی پیشگوئی اگر شام تک پوری نہ ہوئی تو میں حضرت کو کیا جواب دوں گا۔ نبیوں کی پیشگوئیاں اور وعدے بھی دوسرے وقت پر جا پڑتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں تو منہ نہ دکھا سکوں گا۔

پھر مجھے یہ خیال آیا کہ ایک نمبردار اگر کسی فقیر یا میراثی کو کہہ دے کہ شام کو کھانا میرے گھر کھا لینا۔ تو وہ اطمینان سے شام تک رہتا ہے۔ اور کھانا مل جاتا ہے۔ کیا ہمارا خدا ایک نمبردار جیسا بھی نہیں۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں۔ یک در گیر و محکم گیر۔ پس مجھے خدا پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ میں اطمینان سے پھر بیٹھ گیا۔ ۱۲ بجے کے قریب میں نے سوچا کہ یہ کام تو خدا نے کر ہی دینا ہے۔ اب میں نیچے جا کر نماز کی تیاری کر لوں ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیئے

جونہی کہ میں نے مسجد میں قدم رکھا۔ حضرت اقدس کی خادمہ المعروف دادی نے مجھے دیکھتے ہی خشمگین لہجہ میں کہا کہ تجھے تو حضرت نے بالن خریدنے کے لیئے بھیجا تھا تو اب تک نہیں گیا۔ دیکھ میں حضرت سے جا کر کہتی ہوں۔ لنگر والے صبح کو کیا کریں گے۔

میرے دل میں یہ بات گذری کہ یہ حضرت کے پاس رہتی ہے الہامات سنتی ہو گی۔ اس کو کہا کہ دادی گھبرانیکی بات نہیں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے الہام سے بتلایا ہے کہ بالن یعنی اوپلے یہیں آ جائیں گے۔ اس نے غصہ میں آ کر کہا کہ ہاں تو کہتا ہے کہ جب تک مجھے الہام نہ ہوگا میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ دیکھ میں جا کر حضرت کو خبر کرتی ہوں۔ یہ کہتے ہی وہ اندر چلی گئی۔ اور حضرت کو کہہ دیا کہ وہ ابھی تک کہیں نہیں گیا ہے۔

مجھے اس خوف سے کہ حضرت اقدس سے کہنا پڑیگا کہ الہام ہوا ہے (ایک فقیر بادشاہ کے سامنے کہاں کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس ایک پیسہ ہے) بہت تردد ہوا اور میں سیڑھیوں سے جلدی اتر کر ٹہلنے والے دروازہ کی طرف بھاگا۔ اور جی میں کہتا تھا کہ کوئی پیچھے سے آواز نہ دیدے کہ حضرت نے بلایا ہے۔ جب میں سابقہ اڈہ خانہ پر پہونچا تو فکر ہوئی کہ اب کیا کروں۔ آخر یہی بہتر معلوم ہوا کہ سیکھواں جا کر وہاں کے دوستوں سے کہوں کہ میری مدد کریں میں ناواقف ہوں۔ جب میں تھوڑی دور چلا۔ تو پھر دل میں خدا تعالیٰ کے وعدہ کا خیال آیا کہ خدا تعالیٰ تو یہاں ہی انتظام کرنا چاہتا ہے میں باہر جا کر کیا کروں گا۔ یہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ لہٰذا پھر اس خیال سے کہ کہہ سکوں کہ میں چاروں طرف پھر کر آیا ہوں قادیان کے گرد چکر لگا کر وضو کر کے مسجد مبارک پر چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب تکبیر کی آواز سنی۔ تو پیچھے اور آخری صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ اور معاً اوپر چلا گیا۔

اور خدا تعالیٰ سے عرض کرتا رہا کہ مجھے حضرت سے شرمندہ نہ ہونے دینا۔ جب عصر کا وقت قریب آیا۔ تو پیرا دتا خادم حضور انور نے جو پہاڑیا کہلاتا تھا۔ اور علاج کرانے آیا پھر یہیں رہ گیا تھا۔ نیچے سے مجھے آواز دی کہ تم یہاں کیا بیٹھے ہو پہاڑی دروازہ پر بالن کے گڈے آئے ہیں۔ چلو خریدو۔ میں نے شکر کا سجدہ کیا کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کو پورا کر دیا۔ جب میں اس کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ بڑ کے درخت کے قریب جہاں اس وقت قبریں تھیں چار گڈے کھڑے ہیں۔ تین میں لکڑی کا پوست یعنے چھلکا ہے اور ایک میں اوپلے ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں نے اوپلے ہی لینے ہیں۔ مگر اس کے قریب ۱۲ آدمی گاہک کھڑے تھے جو ۱۲ آنہ سے شروع کر کے ایک روپیہ بارہ آنہ تک قیمت کر چکے تھے۔ میں نے دیکھ کر ماہرانہ لہجہ میں کہا کہ مجھے خوب علم ہے کہ اس میں کس قدر بالن ہے۔ اسی اثناء میں میاں نجم الدین صاحب مرحوم نے جو اس وقت

مدرسہ کے باورچیخانہ کا اہتمام کرتے تھے کہہ دیا کہ میں ایک روپیہ چودہ آنہ دوں گا۔ میں نے کہا اس میں ایک روپے ۱۲ آنہ سے زیادہ ایک پیسہ کا بالن نہیں ہے۔ میں صرف اس قدر دوں گا۔ اور جس کی مرضی ہو کوئی لے لے۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔ اور دعا کی کہ الٰہی بلہ آدمی میں سے تو ہی ہے جو اس گڈہ کو مجھے دلا دے۔ ورنہ یہ ملتا نظر نہیں آتا۔ کیونکہ یہ بھیرے خرید لیں گے۔

میں وہاں سے دعا مانگتا ہؤا واپس ہو کر مسجد مبارک کی چھت پر جا بیٹھا۔ کہ اے خدایا ایندھن کا گڈہ آ تو گیا ہے مگر بغیر تیری مدد کے ہاتھ نہیں آتا۔

میرے چلے آنے کے بعد سارے مشتری وہاں سے چلے گئے۔ گڈہ والا حیران ہؤا کہ اب کیا کروں۔ رات قریب آ گئی۔ واپس کس طرح جاؤں گا۔ یہاں کوئی لینے والا نہیں۔ پیرا ندتا کوہستانی خادم حضورؑ نے جو وہاں کھڑا تھا۔ کہا کہ ہمارا منشی کہہ گیا ہے کہ میں دو تو دیں گے۔ مالک نے کہا کہ کوئی لینے والا بھی ہو۔ اس نے کہا میرے ساتھ گڈہ لے چلو میں تم کو یہ قیمت دلا دوں گا۔ مالک راضی ہو گیا۔ اور گڈھا لے کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ پیرا ندتا مرحوم نے مجھے مسجد کے اوپر بیٹھا دیکھ کر کہا کہ نیچے آ کر گڈہ بالن کی قیمت دے دو۔ میں نے پھر سجدہ شکر ادا کیا اور گڈہ خالی کرا کر قیمت اس کو دیکر رخصت کیا۔

اس کے بعد میرے دل میں یہ آیا کہ میں حضرت اقدسؑ کو اس خدمت کی انجام دہی کی خبر دوں۔ پھر انکساری نے غلبہ کیا کہ یہ کیا خدمت ہے جو تو نے کی ہے۔ کوئی بڑی خدمت ہو تو اس کا ذکر بھی کیا جائے۔ خدا تعالیٰ حضور کو خود ہی الہام سے اطلاع کر دے گا۔ میرے کہنے کی ضرورت نہیں۔

صبح کے وقت حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا۔ احادیث کا بیان پیشگوئیوں کا ذکر۔ اپنے مسیح ہونے کے دلائل لوگوں کو سمجھاتے رہے۔ جس جگہ اب مدرسہ احمدیہ ہے یہاں ایک سڑک حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ نے بنوائی تھی جس پر اب عمارت مدرسہ کھڑی ہے۔ اس کے دیکھنے کے لئے واپسی پر ادھر آئے تھے۔ تو لطیفہ کے طور پر یہ بیان فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک مہدی حسین مہمان آیا ہے ہم نے اس کو ایندھن لینے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب تک مجھ کو الہام نہ ہو گا میں ایندھن لینے کو نہ جاؤں گا۔"

یہ خلاصہ اس رپورٹ کا ہے جو خادمہ نے میری نسبت آپ کو دی تھی۔ میں نے الفاظ نہیں سنے۔ لوگ سن کر میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات حضورؑ نے فرمائی ہے۔ لوگ ہنستے جاتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے۔ آخر ایک شخص نے کہا۔ کہ تمہاری نسبت کچھ فرمایا ہے۔ میں نے کہا مجھے بتلاؤ کیا فرمایا ہے تاکہ میں اس کا جواب دوں۔ مگر کسی نے نہ بتلایا۔ بعد میں اتنا کسی سے سنا کہ فرمایا کہ بے علم جاہل آدمی ہے۔ ایسے آدمی کو اگر ہم لنگر کا کام سپرد کر دیں تو آج ہی بند ہو جائے۔ میں نے اس کو تو خوشی سے قبول کیا۔ مگر اصل بات معلوم ہونے پر میں آگے بڑھا۔ کہ حقیقت بتلاؤں۔ مگر حضورؑ اندر تشریف لے جا چکے تھے۔ پھر مجھے موقعہ نہیں ملا کہ اس کی بابت عرض کروں۔ مگر جن لوگوں نے حضورؑ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تھے وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت سے آپ کی نسبت یہ سنا ہے اسی کو صحیح مان سکتے ہیں۔

امیر پیغام جو قادیان سے منقطع ہو کر لاہور میں اپنا مشن قائم کئے بیٹھے ہیں۔ اپنے جرگہ میں بیٹھ کر کہا کرتے ہیں کہ قادیان میں ایسے جاہل مہمان رہتے ہیں۔ جو الہام کو ہر ایک بات میں پیشوا بناتے ہیں۔ میں ان سے بادب عرض کرتا ہوں کہ آپ کا گروہ تو الہام سے منکر بلکہ حضورؑ کی نبوت سے منحرف اور خاتم النبوت ہے۔ لیکن اس طرح کی دعا ر جو ہم روزہ قبول ہوئی۔ اگر آپ کو کبھی نصیب ہوتی۔ تو آپ قادیان چھوڑ کر حضورؑ کے الہام لاہور میں ایک ..... ہے کے مصداق نہ بنتے۔ قسمت نے آپ کو یہاں سے نکالا۔ اور اب تک حضورؑ کے الہام کے مطابق پاس آ کر نہیں بیٹھتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

روایت نمبر ۱۵

مسجد مبارک میں ظہر کے وقت کچھ مہمانوں نے حضورؑ سے سوال کیا۔ کہ جو شخص آپ کو برا نہ کہے اور بیعت بھی نہ کرے۔ آپ کے نزدیک وہ کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اگر ہم کو اچھا سمجھتا ہے تو بیعت کیوں نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا کہ بیعت میں تو اس کو تردد ہو۔ اور آپ کو نیک انسان اور خدا دوست جانتا ہو آپ اس کو کیا کہیں گے۔ تو حضورؑ نے فرمایا کہ یہ سوال تم اپنے علماء سے کرو۔ وہ امام مہدی جو آنے والا ہے اس کی بیعت نہ کرنے والے کو وہ کیا سمجھتے ہیں۔ اور مہمانوں نے کہا کہ حضرت وہ تو اس کو کافر کہتے ہیں۔ تو حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ بس ہم وہی ہیں جس کی بیعت نہ کرنے والے کو وہ کافر سمجھتے ہیں۔ انہیں کی زبان سے فیصلہ ہو گیا۔ اس پر سائل خاموش ہو گئے اور ہم کو عرفان حاصل ہو گیا۔

روایت نمبر ۱۶

حضرت اقدسؑ نے مجھے ایک بلٹی لانے کے لئے بٹالہ بھیجا۔ جو ڈاکٹر محبوب عالم صاحب مرحوم نے کیوڑہ کی گاگر حضورؑ کے لئے پورے بھیجی تھی۔ بٹالہ کے بکنگ کلرک نے دینے سے انکار کیا کہ اس کا محصول ادا نہیں ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ محصول اداشدہ ہے۔ وہ کہنے لگا کہ حساب کی رو سے محصول کم دیا گیا ہے۔ ایک روپیہ اور چاہیئے۔ میں قاضی نعمت علی صاحب عرضی نویس بٹالہ کے پاس گیا کہ ایک روپیہ محصول کے لئے چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ مرزا صاحب کی تحریر لاؤ۔ اس پر ہم کو روپیہ دیں گے۔ میں نے کہا کہ اگر حضرت صاحب تک میں پہنچوں تو پھر آپ سے لینے کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں سے مایوس ہو کر میں ایک صاحب میاں اللہ رکھا احمدی کے پاس گیا۔ جو قالین کے کارخانہ میں کام کیا کرتے تھے۔ اور اکثر حضورؑ کی خدمت میں حصہ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے بیچون وچرا روپیہ دے دیا۔ میں بلٹی چھوڑا کر حضورؑ کے پاس لایا۔ اور روپیہ جو قرض لے کر دیا تھا۔ حضور سے طلب کیا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ محصول ڈاکٹر صاحب نے دے دیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضورؑ بٹالہ کا کلرک کہتا تھا کہ حساب کے رو سے محصول کم دیا گیا ہے۔ ایک روپیہ اور چاہیئے۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا کہ ہم کم دینا ہی کب چاہتے ہیں۔ ان الفاظ کو سن کر میرے اندر بجلی کی طرح ایک رو پیدا ہو گئی۔ کہ مہدی آخر الزمان کی کیا ہی اچھی تعلیم ہے۔ کہ ہم کسی کو اس کے حق سے کم دینا ہی نہیں چاہتے۔ یہ لا تظلمون ولا تظلمون کے عین مطابق ہے۔ حضرت اقدس نے مجھے ایک روپیہ لا کر دے دیا۔ اور میں نے میاں اللہ رکھا مرحوم بٹالہ والا کو پہنچا دیا۔

میں نے میاں اللہ رکھا مرحوم بٹالہ والا کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا ہے کہ اس کی یادگار بھی قائم اور تازہ ہو جائے۔ خدا تعالیٰ اس کی مغفرت کرے بہت سی خدمات بڑے شوق سے انجام دیا کرتے تھے۔ بٹالہ کی بستی میں ایسا خدمت گذار میں نے اور کوئی نہیں پایا۔ اللھم ارحمہ واغفرلہ۔

وصیت نمبر ۴۵۱۳

منکہ سید جعفر ولد سید احمد قوم سید پیشہ تجارت عمر تخمیناً ۶۰ سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۱۷ء ساکن حیدرآباد ڈاکخانہ جنرل پوسٹ آفس حیدرآباد دکن بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۸ نومبر ۱۹۳۵ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

میں سید جعفر ولد سید احمد ساکن رام کوٹ سلطان بازار حیدرآباد دکن لکھدیتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں۔ اس بات پر کہ میری اس وقت کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں ہے۔ بلکہ قرضہ ہے۔ میری پہلی بیوی غیر احمدی اپنے بھائی کے زیر پرورش ہے۔ دوسری بیوی اور چار صغیر سن بچے احمدی ہیں۔ مجھے بیعت کا شرف حضرت امامنا خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے دست مبارک پر حاصل ہے۔ جسکو پندرہ سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ میری آمد اس وقت صرف تیس روپے ماہوار سکہ عثمانیہ پر گذارہ ہے جس میں دسواں حصہ آمد بمد وصیت ماہانہ ادا کرتا رہونگا۔ اگر میرے مرنے کے بعد کوئی جائیداد وغیرہ ثابت ہو۔ تو اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی لہذا یہ چند کلمہ بطریق اقرار نامہ وصیت نامہ لکھدیا کہ سند رہے۔

العبد۔ سید جعفر احمدی بقلم ۲۱/۱۱/۳۵
گواہ شد۔ بشارت احمد امیر جماعت
گواہ شد۔ سید محمود حسین برادر زادہ موصی
گواہ شد۔ عبد القادر سکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ حیدرآباد دکن

اسلامی دنیا

شام میں فرانسیسی دورِ حکومت پر ایک نظر

(۴)

حکومت کی سیاسی غلطیاں

امیر سلیم کی موت کا بہانہ

امیر سلیم کی موت نے فرانسیسی حکومت کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک جدید راستہ کھول دیا۔ متعدد اشخاص کو حکومت کے ایجنٹوں نے ابھارا۔ کہ وہ حاکم جبل بننے کے لئے جدوجہد کریں۔ جب ایسے امیدوار پیدا ہو گئے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا والی مثال صادق آئی۔

حکومت نے کہا چونکہ کئی آدمی امیدوار پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ایک سرکاری آدمی قائمقام گورنر بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ کپتان کاربلیہ کو گورنر بنا دیا گیا۔ مگر یہ بھی دھوکہ تھا۔ ایک ماہ کے بعد کاربلیہ کو مستقل گورنر بنا دیا۔ اس امر نے جلتی پر تیل کا کام دیا۔

ادھم خنجر کی گرفتاری

ایک معزز نوجوان تھا۔ اس پر حکومت نے ایک مقدمہ چلایا۔ کہ وہ جنرل گورو کو قتل کرنا چاہتا ہے ۷/ جولائی ۱۹۲۲ء کو وہ سلطان پاشا اطرش کے ہاں مہمان تھا۔ سلطان خود موجود نہیں تھا۔ حکومت اسے سلطان کے مکان سے زبردستی اٹھا کر لے گئے۔ سلطان جب آیا تو اسے بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے آکر تار دی کہ

میرے مہمان کی توہین اور میری موت یکساں ہیں۔ مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

یہ واقعہ بظاہر معمولی معلوم ہوتا ہے۔ حکومت بھی خیال کرتی تھی کہ سلطان پاشا اطرش حکومت کی قوت اور طاقت کے مقابلہ میں کر ہی کیا سکتا ہے۔ مگر جہاں تک سیاست دانوں کا تعلق ہے وہ سمجھتے ہیں کہ کسی قوم کے جذبات اور احساسات کے ساتھ کھیلنا دانشمندی کا کام نہیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو حکومتوں کے تختے الٹ کر رکھ دیتی ہے۔

سلطان پاشا کی تاریں لاپرواہی کا سلوک خرمن امن پر بجلی کا باعث تھا۔ سلطان نے اپنے دوستوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے حالات رکھے۔ اور ایک وفد لے کر دمشق کو روانہ ہوا۔ تاکہ صدائے احتجاج بلند کر سکے۔

حکومت کے محکمہ کارخاص نے غلط رپورٹیں پہلے سے دے رکھی تھیں۔ ان رپورٹوں کی وجہ سے راستہ میں ہی جنرل ٹرانگا کی فوجی گارد مل گئی۔ فوج نے سلطان کے آدمیوں پر گولی چلانے میں پہل کی۔ فوج کے پاس مسلح موٹریں۔ جنگی ٹینک اور مشین گنیں تھیں۔ انہوں نے سلطان پر گولی چلائی۔ سلطان زخمی ہوا۔ تب وہ زخمی شیر کی طرح تلوار سے حملہ آور ہوا۔ اور اس بہادری سے لڑا کہ عربوں کی گذشتہ بسالت اور جوانمردی کی یاد تازہ ہو گئی۔ فوجی گارد کے سپاہی قتل ہو گئے۔ اور سامان جنگ فتحمندی کے ساتھ سلطان پاشا سامان جنگ کا مالک ہو گیا۔

غلطی پر غلطی

اس پر حکومت کا ہوائی بیڑا حرکت پر آگیا۔ اور سلطان کے گاؤں پر اس قدر گولہ باری کی گئی۔ تمام گاؤں تباہ ہو گیا۔ مکانات مسمار اور منہدم ہو گئے۔ سلطان پاشا نے بھاگ کر اپنی اور اپنے کنبہ کی جان بچائی۔ اور شرق اردن کی حدود میں پناہ گزیں ہو گیا۔

حکومت نے سلطان کو گرفتار کرنے کے لئے طرح طرح کے جال بچھائے۔ مگر وہ قابو نہ آیا۔

آخر

حکومت نے یہ تجویز کیا کہ ہم سلطان کو معافی دے دیتے ہیں۔ مگر اس کے لئے کچھ شرطیں مقرر کرتے ہیں۔ چنانچہ سلطان کو معافی ہو گئی۔ مگر حکومت نے پھر اس عہد کی پابندی نہ کی۔

سلطان نے بالکل گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ مگر حکومت اس سے اور وہ حکومت سے بدظن رہا۔

کپتان کاربیہ ایک ایسا شخص تھا۔ جس کی عقل وتدبر کا دیوالہ نکلا ہوا تھا۔ اس کی پالیسی دروز کو ذلیل کرنے والی تھی۔

چنانچہ اخبار نیویارک نے ایک اشاعت میں لکھا کہ:۔

کپتان کاربیہ اکثر کہا کرتا ہے کہ میں ایک عجیب وغریب ملک کا شاہنشاہ ہوں۔ دروز سوروں کا ایک ریوڑ ہے۔ اور میں ان کے ساتھ سوروں کا سا سلوک کروں گا۔

ایک اور اخبار ایکوی دی پاری نے لکھا کہ:۔

جبل دروز کے اضطراب کی تاریخ کپتان کاربیہ اور جنرل سرایل کی غلطیوں سے شروع ہوئی ہے۔

کاربیہ اکثر دیہات کا دورہ کیا کرتا تھا۔ اور لوگوں کو مجبور کیا کرتا تھا۔ کہ وہ اس کا شاہانہ استقبال کیا کریں۔ اور جو لوگ اس کا شاندار استقبال نہ کرتے وہ ان کو جرمانے کرتا اور کوڑے لگواتا۔

مہمان نوازی کی مخالفت

عرب ہمیشہ سے مہمان نواز چلے آئے ہیں۔ ان کی مہمان نوازی پر کوئی پابندی لگانا ایک خطرناک غلطی تھی۔ کاربیہ نے ایک حکم یہ بھی دیا۔ کہ کوئی شخص جبل میں کسی کا مہمان نہ ہو۔ بلکہ ہوٹل میں اترے۔

دروز نے حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ ایسا نہ کیا جائے جو ہمارا مہمان ہو اسے مجبور نہ کیا جائے۔ اور جو ہوٹل میں اترے ہم مجبور نہ کریں گے۔ مگر حاکم نے تسلیم نہ کیا۔

دروز نے ایسا حکم ماننے سے انکار کیا۔ اس کے نتیجہ میں بڑے بڑے سردار گرفتار کئے گئے۔ اور ان کو پتھر کوٹنے کی مشقت دی گئی۔

دروزی بہادر یہ سب کچھ دیکھتے۔ اور ان کے منہ سے ایک آہ نکلتی اور خاموش ہو جاتے

بلی گم ہو گئی

کپتان کاربیہ کے تشدد کی ایک اور مثال لیفٹیننٹ موریل کاربیہ کا معاون اور دوست تھا۔ اس کی ایک بلی گم ہو گئی۔ کاربیہ نے عام منادی کرا دی کہ موسیو موریل کی بلی گم ہو گئی ہے۔ اگر یہ بلی ۲۴ گھنٹے تک نہ ملی تو سویدا کے ہر گھر پر جرمانہ کیا جائے گا۔ چنانچہ بلی نہ مل سکی جس کے بدلے میں لوگوں کو جرمانہ اور جیل اور ہنٹروں کی سزا ہوئی۔ اور یہ صرف لیفٹیننٹ موریل کی بلی کے لئے ہوا۔ ان مظالم کی وجہ سے لوگ تنگ آچکے تھے کہ ۱۹۲۵ء میں کاربیہ رخصت پر فرانس میں چلا گیا۔ اس کی جگہ بھی کپتان رینو حاکم مقرر کیا گیا۔

جنرل رینو نے اپنے حسنِ سلوک کی وجہ سے پبلک کے دل میں گھر کر لیا۔ جب کاربیہ کی رخصت ختم ہونے کے قریب آگئی تو چھتیس ۳۶ معززین کا ایک وفد دمشق گیا۔ تاکہ جنرل سرایل حاکم عام سے ملے اور اس سے درخواست کرے کہ کاربیہ کو کسی اور جگہ لگا دیا جائے۔ اور اس کی جگہ رینو کو رہنے دیا جائے۔

جنرل سرایل ایک ناچ کی مجلس میں تھا۔ اس نے وہیں سے جواب دیا کہ۔

وفد کو کہہ دو کہ جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جائے

اور باریابی کا موقع نہ دیا۔

۱۸ / جون کو

نسیب بے اطرش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور کہا کہ میں فرانسیسیوں کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں رکھتا لیکن کاربیہ کو آج کے بعد جبل دروز میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں بعض اہم امور جنرل سرائل کو بتانا چاہتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ کپتان رینو کو حاکم مقرر کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو میں اپنی قوم کے پاس بالکل مطمئن جاؤنگا۔

جنرل سرائل نے نسیب بک کو بھی ملنے سے انکار کیا۔ تب نسیب بک نے کہا کہ۔

اب بندوقوں کے منہ بات کریں گے۔